رازی پاکستانی

شاہ جی سے وابستہ یادیں

محترم رازی پاکستانی حضرت امیرِ شریعت کے ارادت مندوں میں سے ہیں۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ انہوں نے شاہ جی سے آٹوگراف بھی لیا اور اس موقع پر لکھتے ہوئے شاہ جی کی تصویر بھی بنائی۔ مرحوم آغا شورش کاشمیری سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ شاہ جی کی یہی تصویر اور آٹوگراف شورش مرحوم نے شاہ جی کی سوانح حیات کے پہلے ایڈیشن میں شائع بھی کئے۔ رازی ان دنوں لندن میں مقیم ہیں۔ میرا ان سے قلمی رابطہ ہے مگر ملاقات سے محروم ہوں۔ ان کی عنایت ہے کہ میری درخواست پر ذیل کی سطور انہوں نے لکھ بھیجیں اور شاہ جی کی وہ تصویر بھی عطاء فرمائی جو ان کی ایک چینی کلاس فیلو نے ہانگ کانگ میں بنائی تھی۔ رازی صاحب کے شکریہ کے ساتھ ان کی تحریر قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ (مدیر)

۱۹۵۳ء میں جب ختمِ نبوت کی تحریک زوروں پر تھی دوسرے شہروں کی طرح ہمارے شہر میانوالی میں بھی سر ظفر اللہ کی وزارت خارجہ سے سبکدوشی اور میرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانے کے لئے جلسے، جلوس نکل رہے تھے۔ شہر کے بزرگ عالمِ دین مولانا محمد ابراہیم جگرانویؒ، چوہدری محمد طفیل شاہین (اب اسکاٹ لینڈ کی مشہور کاروباری شخصیت) اور ملک محمد منور وغیرہ گرفتار ہو چکے تھے۔ میں تو ہانگ کانگ کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ کالج کے باقی ساتھی بشیر خاور کی معیت میں مختلف کالجوں کی ایک انجمن بنا کر گرفتاریاں دینے کی کوشش میں تھے۔ پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ (وائیں) کے ذاتی حجام کا تعلق قادیان سے تھا۔ شہر کے نوجوان طلباء اکٹھے ہو کر ان سے ختمِ نبوت کے متعلق سوال کرتے۔ انہی دنوں ملتان کے تھانہ کپ میں کسی پولیس انچارج کی جلد بازی سے گولی چل گئی۔ کئی جانوں کا نقصان ہوا تو درویش شاعر ساغر صدیقی نے معرکتہ الآرا نظم لکھی۔

بیٹے کہاں ہیں میرے، ملتان پوچھتا ہے؟
کیوں چھا گئے اندھیرے، ملتان پوچھتا ہے؟

تب ہم شاہ جی سے ملنے ملتان گئے تھے۔ میں نے اب تک ان کو دور سے دیکھا تھا بہت پہلے ان کی تقریریں خیر المدارس جالندھر کے سالانہ اجلاس میں والد صاحب کی معیت میں سنی تھی۔ ان دنوں اتنی سوجھ بوجھ تو نہیں تھی لیکن شاہ جیؒ یا قاضی احسان احمدؒ کی باتیں اچھی لگتی تھیں۔ اور آج ہم اس عظیم شخص کے ہاں بن بلائے مہمان بنے بیٹھے تھے۔ اور وہ شخص زندگی بھر کے تجربے اور پوری بزرگانہ شان کے باوصف آمنے سامنے بیٹھے اٹھارہ بیس سال کے کھلنڈرے سے لڑکوں سے گھل مل کر باتیں کر رہا تھا۔ اور مختلف کالجوں کے یہ طالب علم بھی شاہ جی کو اپنا سمجھ کر کھلی کھلی باتیں کر رہے تھے۔ اب وہ عظیم انسان ہمیں چائے پلانے پر اصرار کر رہا تھا۔ تب یوں ہی کہیں مولینا ابوالکلام آزاد کی غبارِ خاطر والی چائے کا ذکر ہوا تو انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھنا تو، وہ چائے شاید چین میں ملتی ہو؟ اس کے بعد میں ہانگ کانگ چلا گیا۔ وہاں کبھی کبھار چینی دوستوں کے ساتھ کسی کیفے میں ایسی چائے

بغیر دودھ اور شکر کے، پیتے تو شاہ جیؒ کی بات یاد آجاتی۔

پیکنگ میں پاکستان کے پہلے تو نصلر شیخ تاج الدین اب ہانگ کانگ میں مقیم تھے۔ ان سے مشورہ کے بعد میں نے پاکستانی سفارتخانہ کے ایک صاحب کی معرفت وہ خاص چائے شنگھائی یا پیکنگ سے منگوالی۔ پارسل سے بھیج رہا تھا کہ کامریڈ مبارک ساغر اور ابو سعید انور ہانگ کانگ پہنچ گئے۔ وہ دفتر "چٹان" سے میرا ایڈریس اور فون نمبر لے آئے تھے۔ بہر حال وہ چائے شاہ جی کو پہنچ گئی۔

۱۹۵۶ء میں واپس ملک آیا تو دوستوں کے ساتھ شاہ جی کے ہاں حاضری دی۔ وہ چائے کی بات کرنے ہی لگے تھے کہ میں نے جرأت سے کام لے کر کہا کہ نہ تو آپ "اس غیر ضروری شے" کے لئے شکریہ ادا کریں اور نہ ہی آپ ایسے "جفاکش انسان" کو مولانا آزاد کی پیروی میں آئندہ کے لئے ایسے چسکوں میں پڑنا چاہیئے۔ (میں نے آغا شورش سے اتنے قریبی تعلقات کے باجود ان کی تقریر کبھی نہیں سنی۔ لاہور میں میرا قیام ۱۹۵۶ء میں آغا صاحب کے ہاں تھا۔ وہ ہر کسی کو "میرا بھائی ہانگ کانگ سے آیا ہوا رازی" سے تعارف کراتے تھے۔ ہماری یہ پہلی ملاقات تھی۔ ان کے بعد بھی خاندان سے یہ رشتہ اب تک قائم ہے) لاہور واپس آکر میں یہ بات آغا صاحب کو بتا رہا تھا تو حمید نظامی اور شیخ حامد محمود بھی وہاں بیٹھے تھے۔ شورش پوچھتے تھے کہ شاہ جی نے تب کیا کہا۔ میں نے کہا کہ اس عظیم شخص کی وہی مسکراہٹ تھی۔ جس سے آپ بھی شناسا ہوں گے۔ (پنجابی میں کہی گئی بات سے الفاظ تو بدل ہی جاتے ہیں)

اس دن شاہ جی نے مجھے اور میرے بھائی اکرام آصفی کو بھی آٹو گراف دیئے تھے۔ اکرام کی آٹو گراف بک پر انہوں نے یہ شعر تحریر فرمایا کہ:

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے، کیا خوش مزاج ہے

میں نے روسی کیمرہ سے ان کی تصویریں بھی لی تھیں اوروں کو تو سختی سے منع کر دیا کرتے تھے لیکن میرے "غیر ملکی" ہونے اور آغا شورش کی وجہ سے وہ ٹال سا گئے تھے۔ انہیں دنوں مظفر گڑھ کے ڈپٹی کمشنر مسعود کھدر پوش نے ان کی کوئی تصویر یا باتیں ٹیپ کرلی تھیں۔ شاہ جی نے اپنی باتیں ٹیپ شدہ سنیں تو میرے اندازے کے مطابق کافی متاثر ہوئے تھے۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ تم بھی ایسا آلہ لائے ہو؟

میں شاہ جی کو بتا رہا تھا کہ میں نے قیام پاکستان سے پہلے بارہ تیرہ سال کی عمر میں ان کی تقریریں سنی تھیں۔ اور ایک جلسہ میں انہوں نے "کنکاں دیاں فصلاں یکیاں نیں" کی بڑی لمبی تشریح کی تھی۔ وہ عظیم انسان شاید اس وقت کو یاد کر کے مسکرا رہا تھا۔ مجھ سے کہنے لگے تم ذہین بھی ہو اور شرارتی بھی۔ علم ختم نہیں ہوتا بہت ہی زیادہ علم حاصل کرنا۔ تم واپس لوٹو گے تو شاید ہم نہیں ہوں گے۔ لیکن جہاں کہیں بھی رہو مذہب، ملک اور قوم کو یاد رکھنا۔

اس ملاقات میں میرے کالج کے ساتھی جو محکمہ بحالیات ملتان میں متعین تھے ہمراہ تھے۔ وہ شاہ جی کو کسی بہتر علاقے میں اچھا مکان الاٹ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن اشارۃً کہی گئی بات کا جواب بھی نفی میں ملا تو سب خاموش ہو رہے۔ حالانکہ ملتان کے وہ چار پانچ دوست کچے مکان کو کوٹھی میں تبدیل کر سکتے تھے۔